قرآن شناسی

تفسیر سورہ الحمد

عماد العلماء علامہ سید علی محمد نقوی صاحب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اسلام میں عبادت کا مفہوم:

اس آیت میں خطاب غیب سے حضورؐ کی جانب مڑتا ہے۔ یعنی ابھی تک جو طرز کلام تھا اس میں مخاطب حاضر نہیں تھا جب کہ اب سیدھے خداوند عالم کو مخاطب کر کے جملے ادا ہو رہے ہیں۔ چونکہ ہم اپنے وجود کے ہر پہلو میں ذات واجب کے محتاج ہیں اس لئے ہمیں وہ راستہ بتایا جا رہا ہے جس کے ذریعے حقیقی سعادت اور عظمت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ راستہ عبادت اور اللہ سے استعانت یعنی طلب امداد کا راستہ ہے۔ عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کمال خضوع کے ساتھ اپنے پورے وجود کو سراپا اطاعت بنادے۔

لفظ عبادت کے تین معنی مراد لئے جاتے ہیں:

(۱) بندگی اور تعظیم

(۲) اطاعت اور خودسپردگی

(۳) خدمت اور انکساری

اسلام میں مفہوم عبادت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ عبادت صرف چند احکام و رسوم وارکان کے بجالانے میں محدود نہیں ہے۔ اسلام کے مطابق کسی فرد یا گروہ کا ہر وہ چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا عمل جو خوشنودیٔ خدا یا مرضیٔ خدا کے مطابق انجام دیا جائے عبادت میں داخل ہے۔ درحقیقت مرضیٔ خدا پر چلنے والے مومنین کی حیات کا ہر لمحہ مفہوم عبادت کی عملی تفسیر ہے۔

توحید عبادت:

قرآن یہ نہیں کہتا کہ ''ہم تیری عبادت کرتے ہیں'' بلکہ کہا جا رہا ہے ''ہم صرف اور صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔'' یہ جملہ خود توحیدی مفہوم عبادت کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے۔ انسان اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہی دوسرے تمام جھوٹے اور خودساختہ خداؤں اور ان کی بندگی سے ہمیشہ کے لئے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔ اب اس اقرار کے بعد اسے کسی دوسرے کے در پر اپنی پیشانی رکھنے یا اس کے غضب سے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

توحید مطلق کا یہی تصور اسلام کی اہم ترین خصوصیت ہے۔ کیتھولک چرچ میں تین قسم کی عبادتیں ہیں:

(۱) خدا کے لئے

(۲) حضرت مریم کے لئے

(۳) خاصان خدا کے لئے۔

اسی طرح ہندو مذہب میں اندرا، اگنی، سوما اور نہ جانے کتنے دیوی، دیوتا ہیں جن کے لئے مخصوص عبادتیں انجام دی جاتی ہیں۔ لیکن دین اسلام میں عبادت صرف اور صرف ذات رب العزت ہی کے لئے مخصوص ہے جس میں کوئی نبی بھی شریک نہیں ہے۔

توحید افعال:

نہ صرف یہ کہ ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں

بلکہ ہر قسم کی مدد اور استعانت کے لئے بھی صرف اللہ کی جانب ہی رجوع کرتے ہیں۔

چونکہ اسلام عقیدے اور عمل کے مجموعے کا نام ہے لہٰذا چند نظری جملوں کے بعد قرآن پھر عمل کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ صرف کسی شئ کو مان لینا فلسفہ ہے مگر اس عقیدے کے مطابق عمل کرنا مذہب ہے۔ دین اور فلسفے میں یہی فرق ہے اور یہی فرق ایک پیغمبر اور فلسفی میں ہے۔ نہ صرف یہ کہ ہمیں صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہئے بلکہ اسی سے مدد بھی طلب کرنی چاہئے یہی اسلام کا توحیدی طرز فکر ہے جو انسانی حیات کو عبادات اور اعمال کے خانوں میں نہیں بانٹتا بلکہ انہیں ایک کر کے دیکھتا ہے۔ اسلامی طرز فکر کے مطابق خدا محوری ہمارے تمام اعمال وافعال کا بنیادی اصول ہونا چاہئے چاہے وہ اعمال دنیاوی ہوں یا اخروی۔ مزید برآں ذات باری تعالیٰ ہی ہماری تمام تر عقیدتوں اور امیدوں کا مطمع نظر ہونا چاہئے۔

یہ آیۂ کریمہ دراصل عقیدۂ توحید کے عملی پہلو کی رہنمائی کر رہی ہے۔ ایک مسلمان کی پوری حیات قربت الٰہی کے حصول کی سعی پیہم میں بسر ہونی چاہئے۔ اس کی محبت عقیدت، اعمال یہاں تک کہ اس کی موت وحیات بھی صرف اسی معبود حقیقی کے لئے مخصوص ہونی چاہئے۔ یہی اسلام میں توحید عملی کا تصور ہے۔

ہدایت کا مفہوم اور اس کے مختلف پہلو:

انسان کا مقصد زندگی کیا ہے؟ صراط مستقیم پر چلتے ہوئے لازوال کامیابی اور فلاح حاصل کر لینا۔ صراط مستقیم سے مراد ایسا راستہ ہے جو ہموار اور سیدھا ہو جس میں ناہمواری اور مشکلات نہ ہوں اور جس پر بہ آسانی چلا جا سکے۔ اسی کو ہم سچا راستہ کہتے ہیں۔ صراط مستقیم کو حاصل کرنا ہر مسلمان کا مقصد حیات ہے۔ اسی لئے اسلامی اصطلاحات میں یہ اصطلاح زبان زد خلائق ہے۔ مگر سوال یہ اٹھتا ہے کہ صراط مستقیم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ یہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب انسان اپنی زندگی کے ہر مرحلے میں اللہ سے ہدایت طلب کرتا رہے۔ اللہ نے بنی نوع انسان کے سر پر عقل کا تاج کرامت رکھا ہے مگر فلاح اور کامیابی کے لئے اکیلے انسانی شعور اور عقل ناکافی ہے جب تک ہدایت اور توفیق الٰہی بھی شامل نہ ہو جائے۔ اسلامی نظریہ معرفت اور عقل پرستی میں یہی فرق ہے۔ وہاں ہر شئ کو پرکھنے کا معیار عقل ہے جب کہ یہاں انسانی سعادت وکامیابی اور فلاح کے لئے وحی الٰہی اور نبوت بھی ضروری ہے۔ یہ معبود کا اپنے بندوں پر لطف ہے کہ اس نے ان کی ہدایت کے لئے ایک آئین یعنی قرآن کو وحی کے ذریعہ نازل کیا۔

ہدایت سے مراد صرف راستہ دکھا دینا نہیں ہے بلکہ اس وقت تک رہنمائی کرنا ہے جب تک انسان اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ جائے۔ انسان معبود کی استعانت کے بھروسے سیدھے اور سچے راستے پر چلنے اور فلاح کے ساحل سے ہمکنار ہونے کی دعا کر رہا ہے۔ لفظ ہدایت مختلف سطح پر مختلف معنی کا حامل ہے۔ (۱) سچا راستہ دکھانا (۲) سچے راستے کی جانب رہنمائی کرنا (۳) سچے راستے پر قائم رکھنا۔ اسی سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ اولیاء اللہ یا آئمہ طاہرین ''اھدنا الصراط المستقیم'' کیوں کہتے تھے؟ اس جملے سے ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ ''پالنے والے ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھ۔'' یہ آیت

قرآن کریم کے نزول کے بنیادی مقصد اور جوہر کی جانب بھی اشارہ کرتی ہے کہ قرآن کا نزول صرف اس کی عزت و تکریم کرنے کے لئے ہرگز نہیں ہوا ہے بلکہ اس کتاب کا مقصد نزول یہ ہے کہ کاروان انسانیت کو اس کی منزل آخر کا پتہ بتاتے ہوئے اس منزل کی طرف جانے والے سیدھے راستے کی نشان دہی کرے۔ اس کے نازل ہونے کا اولین مقصد بنی نوع انسان کی ہدایت کرنا ہے تاکہ وہ ضلالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر لطف الٰہی کے نور کو اپنے قلب میں محسوس کر سکے۔

نبوت و امامت اور اسلامی فلسفۂ تاریخ:

اسلام کے بنیادی اصولوں یعنی توحید، معاد، عدل الٰہی، تصور انسان اور جہان بینی کے تذکرے کے بعد سورۂ حمد اب اسلامی فلسفۂ تاریخ اور عقیدہ نبوت و امامت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اسلامی تصور انسان یہ ہے کہ اسے قدرت نے اختیار اور قوت فیصلہ جیسی صفات سے متصف کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اسے ذمہ دار اور اپنے اعمال کے لئے جواب دہ بھی قرار دیا ہے۔ جو لوگ اپنے اختیار سے راہ ہدایت کا انتخاب کرتے ہیں وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ جو لوگ گمراہی اختیار کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جو اس لئے گمراہ ہوئے کہ سیدھے راستے تک پہنچ نہ سکے، دوسرے وہ جو جان بوجھ کر انکار کرنے کے باعث اللہ کے غضب کے مستحق بنے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کی شناخت کے باوجود اس کا انکار کرتے اور گمراہی کے فروغ کے لئے عملاً کام کرتے ہیں۔ ہدایت یافتہ اور گمراہ گروہ کے درمیان مسلسل جنگ کا نام تاریخ ہے۔ تاریخ کے وسیع طول و عرض میں اہل حق اور اہل باطل مسلسل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔ یہ سلسلہ ہابیل و قابیل سے لے کر آج تک اسی انداز میں جاری ہے۔ ''جو لوگ ہدایت نہیں پا سکے'' وہ ایسے عوام ہیں جن کا تیسرے اہل باطل گروہ نے استحصال کیا۔ حق و باطل کی طاقتوں کے بیچ یہ معرکہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک حق کو آخری فتح اور باطل کو شکست مطلق نصیب نہ ہو جائے۔ اس جنگ میں ہر فرد بشر کو ان دونوں میں سے ایک گروہ کو اختیار کرنا پڑے گا۔ انسان کو ہر وقت یہ دعا کرنا چاہئے کہ اللہ اپنے بے پایاں لطف و کرم سے اسے اس گروہ میں شامل کرے جو اس کے نیک اور ہدایت یافتہ بندوں کا گروہ ہے نہ کہ ان میں جن پر اس کا غضب نازل ہوا ہے۔

اللہ نے انسان کو قوت اختیار دینے کے باوجود ہدایت کی تلاش میں بھٹکنے کے لئے نہیں چھوڑا بلکہ اپنے لطف و رحم کے تقاضے کے مطابق انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا۔ تاریخ انسانی کے اس طویل سفر میں ہر منزل پر انبیاء، اوصیاء اور اولیاء اللہ انسان کو اس کی حقیقی رہ گزر کا پتہ بتانے کے لئے ظاہر ہوتے رہے۔ انسان کا فرض ہے کہ ان سے محبت اور ان کی اتباع کی سعی پیہم کرتا رہے۔

سچا راستہ آخر کیا ہے؟ یہی وہ سوال ہے جو روز اول سے پوچھا جا رہا ہے۔ یہ نہ فرعون اور قارون جیسے دنیا پرستوں کا راستہ ہے اور نہ ہی کوئی خواب و خیال کی دنیا۔ یہ صاحبان دولت و قوت کا راستہ نہیں بلکہ صالحین اور متقین کا راستہ ہے۔ آج کے مادی نظریہ اور اسلامی طرز فکر میں یہی فرق ہے۔ یہ دنیا کے روحانی قائدین کے نقش قدم ہیں جن پر ایک مسلمان چلنا چاہتا ہے اور اس کا ہدف زندگی صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا نہیں۔

بلکہ دوسروں کے روحانی ارتقاء کے لئے بھی سخت جدوجہد کرنا ہے۔ اسی لئے وہ دعا کرتا ہے کہ خداوند عالم حق کو ثابت اور باطل کونابود کرنے میں متقین کی مدد واعانت فرمائے۔

رسول اکرمؐ اور ائمہ طاہرین کی متعدد احادیث میں آیا ہے کہ ''انبیاء کرام اور ائمہ اہلبیتؑ کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔'' آنحضرتؐ نے فرمایا: ''صراط مستقیم انبیاء کا راستہ ہے اور یہ وہی حضرات ہیں جن پر اللہ نے اپنی رحمتیں نازل کی ہیں۔'' ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''خدا کی قسم ہم اہلبیتؑ ہی صراط مستقیم ہیں۔'' یعنی اہلبیتؑ کی ہدایات کے مطابق چل کر ہی صراط مستقیم اور نجات تک رسائی ممکن ہے۔

حدیث ثقلین سے جو حضور اکرمؐ کی مشہور ومعروف احادیث میں شامل ہے، اس مضمون پر مزید روشنی پڑتی ہے جس میں کہا گیا ہے: (اے لوگو) ''میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اگر تم ان دونوں سے منسلک رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب (یعنی قرآن) ہے اور دوسرے میری عترت، میرے اہلبیتؑ'' ابن مغازی نے آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے۔ جو اس میں داخل ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے منحرف ہوا وہ غرق ہوگیا۔''

اس دعائیہ سورے کے آخر میں امید اور خوف دونوں عناصر سامنے آتے ہیں رحمتوں کا بھی تذکرہ ہے اور غضب کا بھی فرمایا جارہا ہے۔ ''ہمیں سچے راستے کی ہدایت فرما، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنی رحمتیں نازل کی ہیں نہ کہ ان کا جن پر تو نے اپنا غضب نازل کیا اور جو گمراہ ہیں۔''

وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ کون ہیں جو گمراہ ہیں؟ بعض احادیث میں آیا ہے کہ یہ لوگ یہودی اور عیسائی ہیں۔ قرآن بھی عیسائیوں کو ''گمراہ ہوگئے'' (۵:۷۷) سے تعبیر کرتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جن لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا وہ یہودی ہیں اور جو لوگ گمراہ ہوگئے وہ عیسائی ہیں۔'' (ترمذی ۴۴:۲) لیکن چونکہ قرآن ایک کتاب ہدایت ہے جو تمام زمانوں کے لئے ہے لہٰذا نامناسب ہے کہ اس کی کسی آیت کو کسی خاص واقعہ یا قوم سے منسوب کردیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں یہ دو گروہ موجود رہے ہیں۔ پہلا گروہ جو رہبران باطل ہیں جو حق کے شدید ترین مخالف ہیں جب کہ دوسرا گروہ عوام کا ہے جو اسی پہلے گروہ کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے اور اس گروہ میں شامل گمراہ لوگ ''ضالّین'' کے مصداق ہیں۔

عقیدہ امامت کی طرف اشارہ:

امامت وہ عقیدہ ہے جس کے مطابق چند ہستیاں ایسی ہیں جنھیں اللہ نے پیغمبر اسلامؐ کا جانشین قرار دیا ہے ان کا فریضہ دین اور شریعت اسلام کی پاسبانی اور صحیح تفسیر وتوضیح اور روحانی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی معاملات میں امت کی قیادت ہے۔ لغت کے اعتبار سے امام کے معنی قائد کے ہیں۔ شیعہ اصطلاح کے مطابق امام منصوص من اللہ اور پیغمبرؐ کے ذریعے تعارف شدہ وہ شخصیتیں ہیں جن کا فریضہ امت اسلامیہ کی قیادت ہے۔ ہر مسلمان پر امام کی اطاعت اور محبت واجب ہے۔

مقصد امامت:

پیغمبر اسلامؐ کے دنیا میں تشریف لانے اور قرآن کے واضح اعلان کے بعد کہ آپؐ ہی اللہ کے آخری پیغمبرؐ ہیں۔ نبوت اپنے نقطہ اختتام تک پہنچ گئی یعنی اب آنحضرتؐ کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا نبیؐ نہیں آئے گا۔ مگر قرآن واحادیث کی صحیح توجیہ وتفسیر اور بدلتے وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے امت کی قیادت کا کام یقینا باقی رہے گا۔ چونکہ سنت الٰہی یہ ہے کہ مشیت کبھی مخلوق کی کسی ضرورت کو تشنہ نہیں چھوڑتی اور ہر مخلوق کو اس کے کمال تک پہنچانے کے وسائل فراہم کرتی ہے لہٰذا اس کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ نبوت کے بعد بھی انسانیت کی ہدایت کے لئے انتظام موجود ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور پیغام رسانی کے لئے مخصوص بندوں کا انتخاب کیا اور انہیں عصمت ومعجزہ جیسی قوتیں عطا فرمائیں اسی طرح اس پیغام اور شریعت کی حفاظت کرنے والے اور قرآن وسنت رسولؐ کی صحیح تفسیر کرنے والے ائمہ کرام کو بھی اس نے خود منتخب کیا اور اس امر کو امت کے انتخاب پر نہیں چھوڑا اور انہیں بھی عصمت وکرامات سے آراستہ کیا۔ اگر وحی الٰہی کی توضیح میں خطا اور نسیان کے امکانات باقی رہیں گے تو پوری امت کے ایک ساتھ گمراہ ہوجانے کا خطرہ بھی برقرار رہے گا۔ قدرت نے اسی مقصد ہدایت کو جاری رکھنے کے لئے ائمہ کا انتخاب کیا۔ امام کا منصوص من اللہ ہونا اس لئے ضروری ہے کیونکہ اگر لوگ خود اپنا روحانی پیشوا اور ہادی چُنیں گے تو اس انتخاب میں خطا ہونے کے پورے امکانات ہوں گے۔ چونکہ انسان خود معصوم اور خطاؤں سے پاک نہیں ہے لہٰذا اس کا انتخاب بھی ان نقائص سے پاک نہیں ہوسکتا۔ اس غلط انتخاب کا نتیجہ دین کی ناقص تشریح کی صورت میں سامنے آئے گا۔ ساتھ ہی ساتھ امام کو معصوم ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر اس میں خطا اور نسیان کے امکانات ہوں گے تو پھر امت کی گمراہی کا خطرہ پیدا ہوگا جو عدل الٰہی اور فیضان الٰہی کے فلسفے کے خلاف ہے۔ اسی طرح امام کو منجانب اللہ عالم بھی ہونا چاہئے تا کہ وہ پیغام الٰہی کی مشیت کے مطابق تفسیر کرسکے۔ مختصراً اسے اپنے زمانے کی کامل ترین شخصیت ہونا چاہئے کیونکہ یہ خدا کی حکمت اور عدالت کے خلاف ہے کہ وہ کسی ناقص انسان کو قیادت اور رہبری کے لئے منتخب کرے۔

کیونکہ لطف وفیض الٰہی قابل انقطاع نہیں اور ہدایت الٰہی کی ضرورت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اس لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی وقت ایسا ممکن ہی نہیں ہے جب امام موجود نہ ہو (حالانکہ آج وہ پردۂ غیب میں ہیں) امام معصوم، اللہ کی جانب سے علم رکھنے والا اور پیغمبر حضرت محمدؐ کے بعد انسانیت کا کامل ترین فرد ہوتا ہے۔

عقیدہ تولیٰ وتبرّا:

سورہ حمد کی آخری آیت سے نظریۂ تولّی وتبرّا پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ تولی یعنی ہمیں ان لوگوں سے محبت اور ان کی پیروی کرنا چاہئے جن پر اللہ نے خصوصی انعام نازل فرمایا ہے یعنی انبیاء خصوصاً ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیؐ اور ائمہ اہلبیتؑ۔ تبرا یعنی ہمیں ایسے لوگوں سے اظہار برأت اور نفرت کرنا چاہئے جو اللہ کے دین، اس کے پیغمبروں خصوصاً حضرت محمد مصطفیؐ اور اہلبیتؑ کے دشمن ہیں۔ یہی بات اس آیت میں کہی گئی ہے۔

قرآن کریم اور احادیث پیغمبرؐ کے مطابق ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ محمدؐ و آل محمدؐ سے دوستی اور محبت رکھے۔ قرآن میں ارشاد ہوا: (اے نبی لوگوں سے) کہئے کہ ہمیں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہئے جز میرے قرابتداروں سے محبت کے۔ (۴۲:۲۳)

پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: وہ اہلبیتؑ سے محبت ایمان کی اور ان سے عداوت کفر کی علامت ہے جو کوئی ان سے محبت کرتا ہے گویا وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور جو کوئی ان سے دشمنی رکھتا ہے گویا وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے دشمنی رکھتا ہے۔''

اہلبیتؑ اطہار سے محبت ایک دینی فریضہ ہے جس پر مسلمانوں کے تمام فرقوں کا اتفاق ہے سوائے چند لوگوں کے جنہیں دشمنان اہلبیتؑ رسول گنا جاتا ہے اور جنہیں ''نواصب'' (یعنی وہ جو اہلبیتؑ کے لئے اپنے دلوں میں دشمنی رکھتے ہیں) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے ایک بنیادی عقیدے سے انکار کیا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ صرف اہلبیتؑ کے لئے دل میں محبت رکھنا ہی کافی نہیں ہے جب تک کہ اس میں اطاعت اور پیروی کا عنصر بھی شامل نہ ہو جائے۔ انھیں کے بارے میں پیغمبرؐ کا ارشاد ہے:

''میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو ان سے منحرف ہوا وہ ہلاک ہو گیا۔'' یہاں سوار ہونے کا تذکرہ ہے۔ سفینۂ نوحؑ کی ہی طرح اس کشتی میں بھی جو سوار ہوا وہ اللہ کی امان کے سائے میں پہنچا اور جو پیچھے رہ گیا وہ شک و شبہات کی متلاطم موجوں میں غرق ہو کر ہلاکت کے گھاٹ اترا۔

اسی لئے عقائد و احکام کے تمام مسائل میں ہمیں انہیں ہستیوں کی جانب رجوع کرنا چاہئے کیونکہ انہیں کے بارے میں پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے: ''میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب قرآن اور میرے اہلبیتؑ اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب ایک مضبوط رسی ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان (رابطے کے لئے) لٹکائی گئی ہے۔ یاد رکھو یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر مجھ سے ملاقات کریں۔'' یہ حدیث بلا تفریق مسلک تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے اور شیعہ سنی تمام محدثین کا اس پر پورا اتفاق ہے۔ اپنی بلاغت کے اعتبار سے بھی یہ حدیث ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ حدیث کے پہلے جملے میں پیغمبرؐ فرما رہے ہیں کہ میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب کہ بعد کے جملے میں دونوں کو ایک دوسرے سے جوڑ کے بتا رہے ہیں کہ دراصل یہ دونوں ایک ہی ہیں جو کبھی جدا نہیں ہو سکتے۔ پیغمبرؐ یہ فرما رہے ہیں کہ نجات کے لئے دونوں سے وابستگی لازم ہے اس لئے کہ یہ دونوں درحقیقت ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتے، یہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر انسان ان میں سے کسی ایک کا دامن تھام کر دوسرے کو چھوڑ دے تو وہ کبھی راہ ہدایت حاصل نہ کر سکے گا۔ اس لئے یہ حضرات سفینۂ نوحؑ کے مانند ہیں۔

(جاری)